حکمت مودودیؒ

# جمہوریت اور ملوکیت

قارئین" الجمعیتہ" میں سے ایک صاحب نے ہمیں ایک مضمون بھیجا ہے۔ صاحب مضمون نے مولانا محمد علی صاحب کے جن الفاظ پر اعتراض کیا ہے وہ ہماری نظر سے نہیں گزرے اور ہمیں اصل مضمون کی طرف مراجعت کا موقع بھی نہیں ملا۔ اگر مولانا کے ٹھیک الفاظ یہی ہیں جو ہمارے مراسلہ نگار نے لکھے ہیں تو یقیناً انھوں نے جوش بیان میں مبالغے سے کام لیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مراسلہ نگار نے بھی ان پر اعتراض کرنے میں انصاف نہیں کیا ہے۔ مولانا کا یہ کہنا کہ خلافت راشدہ کے مستحسن ادارے کو چھوڑ کر بادشاہت کی طرف قدم بڑھانا اسلام کو ترک کر کے کفر کی طرف قدم بڑھانا ہے' یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ وہ تمام مسلمان بادشاہوں کو کافر قرار دیتے ہیں بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے میں بادشاہت کا نظام کفر کے شعائر میں سے ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ جو شخص اسلام کے طریق حکومت کو چھوڑ کر کفر کے طریق حکومت کو اختیار کرتا ہے' وہ اس خاص باب میں اسلام سے منہ موڑ کر کفر کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جس میں کوئی شخص کہے کہ اگر تم دن کو رات کہو گے تو صداقت کو چھوڑ کر جھوٹ کی طرف جاؤ گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسا کہنے سے تم بالکل جھوٹے ہو جاؤ گے' بلکہ صرف یہ ہے کہ تمہارا ایسا کہنا جھوٹ ہو گا۔ کسی شخص کا جھوٹا ہونا اور اس کے کسی قول کا "جھوٹ" ہونا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ جب ہم کسی کو جھوٹا کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ بولنا اس کی صفت ہے۔ بہ خلاف اس کے جب ہم کہتے ہیں کہ اس کا فلاں قول جھوٹ ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم اس شخص کو جھوٹا کہہ رہے ہیں' بلکہ صرف یہ ہوتا ہے کہ اس خاص قول میں اس نے جھوٹ اختیار کر لیا ہے۔

بالکل یہی فرق کسی شخص کو کافر کہنے اور اس کے کسی خاص فعل کو کفر کہنے میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کفر کا فعل کرے اور وہ کافر نہ ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام کا فعل کرے اور وہ مسلم نہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "زانی جب زنا کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا' اور چور جب چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا' اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا"۔

اس ارشاد نبویؐ سے یہ مطلب آج تک کسی نے نہیں لیا کہ زانی، چور، شراب خور مومن نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا صاف اور سادہ مطلب یہی سمجھا گیا ہے کہ زنا، چوری اور شرب خمر کافرانہ افعال ہیں اس لیے جو شخص ان کو کرتا ہے وہ اس خاص معاملے میں اسلام کو چھوڑ دیتا ہے۔

پس اگر مولانا محمد علی نے بادشاہت کی طرف قدم بڑھانے کو کفر کی طرف جانا قرار دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر شخص جو بادشاہ ہو، کافر ہے۔ بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ بادشاہت اسلام کے بتائے ہوئے طریق حکومت کے خلاف ہے۔ اس لیے جو شخص اس کو اختیار کرتا ہے وہ حکومت کے معاملے میں اسلام کی ہدایت کو چھوڑ کر کفر کی گمراہی کی طرف جاتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ مولانا کی یہ رائے فی نفسہ صحیح ہے یا نہیں، تو اس کے متعلق تفصیل سے بحث کرنے کا محل دوسرا ہے۔ تاہم اختصار کے ساتھ ہم بتاتے ہیں کہ آج کل عرف عام میں جمہوریت اور ملوکیت کے الفاظ جن خاص طرز کی حکومتوں پر بولے جاتے ہیں ان سے تو اسلام کو واقعی کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ اصطلاحاً حکومت کے جس نظام کے لیے ملوکیت کا لفظ وضع کیا گیا ہے وہ اسلام کے خلاف ہے اور جو نظام جمہوری کہلاتا ہے وہ اصلاً اسلامی نظام ہے۔ ملوکیت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: ایک استبداد بالرائے، دوسرے حکومت کا ایک نسل اور خاندان کے ساتھ مخصوص ہونا۔ یہ دونوں چیزوں سنت رسولؐ اور سنت خلفاے راشدین کے خلاف ہیں۔ بہ خلاف اس کے جمہوریت کی اصل، شوریٰ اور استخلاف صالح ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں قرآن، سنت رسولؐ اور سنت خلفاے راشدین سے ثابت ہیں۔ پس اگرچہ جمہوریت کی کسی خاص شکل کو ہم اسلام کا طریق حکومت نہیں کہہ سکتے، لیکن نفس جمہوریت کے متعلق ہم بلاشک و ریب کہہ سکتے ہیں کہ وہ اور صرف وہی اسلام کا بتایا ہوا طریق حکومت ہے۔ اور ملوکیت یقیناً ایک جاہلی نظام ہے جس کے بت کو توڑنا اسلام کے اصلاحی پروگرام کی سب سے پہلی دفعہ ہے۔

ہمارے مراسلہ نگار کی رائے ہے کہ موجودہ زمانے میں خلافت راشدہ کی طرز کی جمہوریت قائم کرنا امر محال ہے اس لیے اس کا خیال ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ مگر ہم اس استدلال کی معقولیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ آج اسلام کی جن جن ہدایات اور جن جن احکام پر عمل کرنا ہماری شامت اعمال سے امر محال بن گیا ہے، ان سب کا خیال ہمیں چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر ریاست حیدر آباد کے لیے آبکاری کا محکمہ توڑ دینا امر محال ہے تو ہم شراب اور اس کی آمدنی کی حرمت کا ذکر ہی ترک کر دیں۔ اگر ریاست بھوپال کے لیے اپنی حدود میں زنان بازاری کا استیصال ناممکن ہے تو زنا کی حرمت کا خیال ہی دل سے نکال دیا جائے۔ آج سود سے بچنا مسلمان تاجروں اور زمینداروں کے لیے ناممکن ہو گیا ہے تو اب سود کی حرمت کا تذکرہ ہی فضول ہے۔ اگر اس استدلال کے مطابق اسلام کے اصول اور تعلیمات میں حذف و ترمیم کا سلسلہ شروع ہوا

تو شاید ایک دن اقرار توحید و رسالت کے سوا اسلام میں کچھ نہ رہے گا۔

سوال یہ ہے کہ خلفاے راشدین کا طرز حکومت ان کی اپنی رائے پر مبنی تھا یا اسلام کی خالص تعلیم پر؟ اگر ان کی رائے پر مبنی تھا تو معاذ اللہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی غیر اسلامی قرار پاتی ہے اور ہمارے لیے اس میں کوئی اسوۂ حسنہ نہیں رہتا۔ اور اگر وہ اسلامی تعلیم پر مبنی تھا تو آج اس کی تقلید کو ناممکن قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی تعلیم ایک خاص زمانے کے لیے مخصوص تھی۔ حالانکہ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے اور اس کی تعلیم ہر زمانے اور ہر ملک کے لیے عام ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ خلافت راشدہ کا نظام (جو جمہوری و شورائی نظام تھا) دراصل اسلامی تعلیم پر مبنی تھا، اور اس پر عمل کرنا آج حقیقتاً ناممکن نہیں ہے، بلکہ سوسائٹی کے بگڑے ہوئے نظام نے اس کو ناممکن بنا دیا ہے، جس کی اصلاح کرنا یا کم از کم اس کی کوشش کرنا (نہ کہ بددل ہو کر اس پر راضی ہو جانا) ہمارا فرض ہے۔ (الجمعیتہ، ۶ اپریل ۱۹۲۸)

---


**لٹریچر کا روزانہ کچھ نہ کچھ مطالعہ اپنی عادت بنایئے**

مختصر الفاظ، معانی کا سمندر
زندگی سنوارنے کے لیے روز مرہ تدابیر
**سید مودودیؒ کی**

# ھدایات

سدا بہار ۔ ۴۶ سال بعد بھی، تر و تازہ
ملک بھر کے تحریکی مکتبوں سے حاصل کیجیے

عطیہ اشتہار:

**SEARS** International
COMPUTERS, PRINTERS & MONITORS
58, First Floor, Hafeez Centre, Gulberg III, Lahore. Pakistan.
Tel: 92-42-5752247-48, Fax! 92-42-5752249